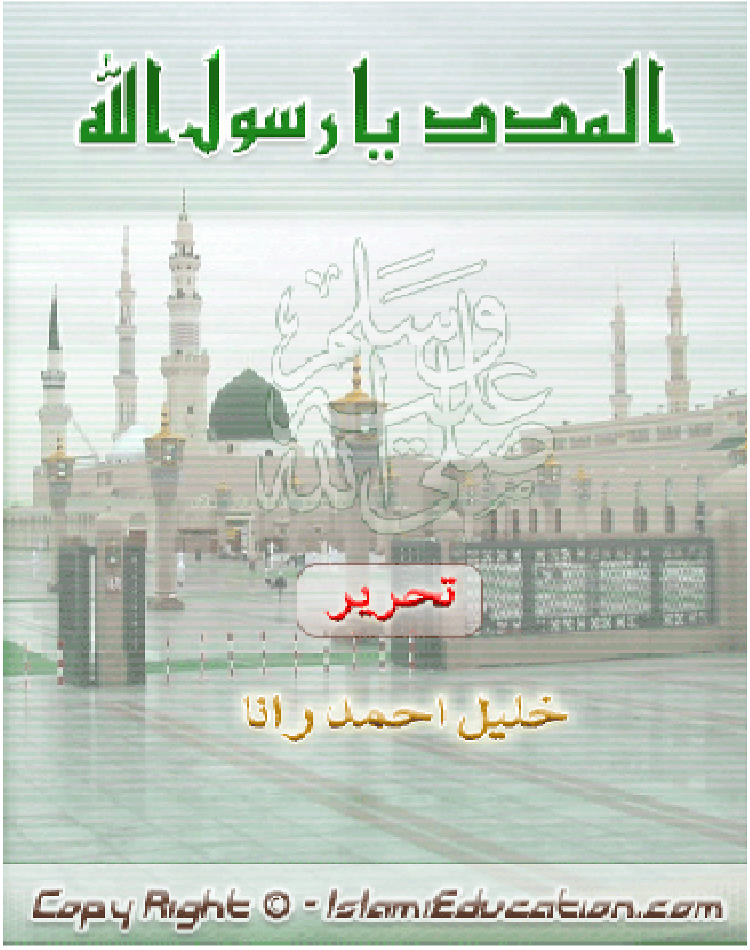

المدد یا رسول اللہ ﷺ

تحریر: خلیل احمد رانا

مارچ ۱۹۹۴ء میں ضیغمِ اسلام، غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہٗ (۱۹۱۳-۱۹۸۶ء) کے عرس مبارک کے موقع پر شاہی عیدگاہ ملتان کے سبزہ زار میں اجلاس کی آخری نشست سے حضرت پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ (سابق صدر شعبہ انگریزی ادب بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان) کی صدارت میں صاحبزادہ حامد سعید کاظمی صاحب نے دورانِ تقریر بتایا کہ ایک مرتبہ حضرت غزالیٔ زماں علامہ کاظمی قدس سرہٗ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ یہ جو ''یا رسول اللہ مدد'' کہتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، اس کے بجائے ''یا اللہ مدد'' کہنا چاہیے کیونکہ غیر اللہ سے مدد مانگنا یہ تو اللہ کو عاجز سمجھنا ہے، کیا اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرسکتا؟ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو حرف ''یا'' کے ساتھ دور سے نداء کرنا بھی درست نہیں۔

علّامہ کاظمی کریم رحمتہ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ حرف ''یا'' کے ساتھ اُسے پکارا جاتا ہے جو دور ہو، یا

پھر اُسے پکارا جاتا ہے جو نزدیک تو ہو لیکن غیر متوجہ ہو، یعنی دُور تو نہ ہو لیکن اس کی توجہ کسی اور طرف ہو، اگر کوئی دور بھی نہ ہو اور پوری طرح متوجہ بھی ہو تو اسے پکارا نہیں جاتا۔ اَب بتاؤ کیا خدا دور ہے؟ ارے وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ تو غیر متوجہ ہونے سے بھی پاک ہے، پھر اس کو کیوں پکارتے ہو؟

ارے اس کا جواب بھی سنتے جاؤ، دیکھئے اللہ تعالیٰ نہ تو دور ہے اور نہ ہی غیر متوجہ ہے، پھر ''یا اللہ'' کہنے کا کیا مطلب ہوا؟ مطلب یہ ہے کہ ''یا اللہ'' کہنا دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے، بندہ جب اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ مجھے اپنی ناراضگی سے بچا اور

اپنی رحمت کو میری طرف متوجہ فرما، گویا بندہ جب اللہ کو پکارتا ہے تو دراصل اس کی رحمت کو پکارتا ہے، اب ایمان سے کہیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کیا ہے اور کون ہے؟ ارے اللہ تعالیٰ کی رحمت تو میرے آقا حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں، تو گویا یا اللہ کہنا بھی یا رسول اللہ ہی کہنا ہے۔

(رانا، خلیل احمد، یاداشتیں (قلمی) : مملوکہ، خود)

رہا یہ اعتراض کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں سے مدد مانگنا تو اللہ تعالیٰ کے عاجز و مجبور ہونے کی دلیل ہے۔

تو میرے بھائی اللہ بھی تو بندوں سے مدد مانگتا ہے، کیا اللہ تعالیٰ بھی عاجز و مجبور ہے؟ آپ کہیں گے کہ اللہ کا مدد مانگنا کہاں ہے؟ تو سنیے میں نہیں کہتا قرآن پاک نے صاف کہا !

ان تنصروا اللہ ینصرکم (القرآن ۲۶۔سورۃ محمد:۷)

اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا

''ان تنصروا اللہ'' جملہ شرطیہ ہے اور ''ینصرکم'' اس کی جزاء ہے، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ اب اگر کوئی کہے بس ہم تو اللہ ہی سے مدد مانگیں گے، تو جناب اللہ تعالیٰ نے تو اپنی مدد کرنے کو مشروط کر دیا ہے تمہاری مدد کرنے سے، یعنی تم میری مدد کرو گے تو مَیں بعد میں تمہاری مدد کروں گا، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جزاء شرط کے بعد ہوتی ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کا مطلب و معنیٰ کیا ہے؟ آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے ''ان تنصروا اللہ ای ان تنصروا دین اللہ ینصرکم'' یعنی اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

اب دیکھئے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد تم سے کرا رہا ہے، آپ کیوں نہیں کرتا۔ کیا اللہ تعالیٰ مجبور اور محتاج ہے؟۔ ارے بھائی یہ تم سے جو مدد کرا رہا ہے یہ اللہ ہی کا مدد کرنا تو ہے، اسی طرح انبیاء و اولیاء کا مدد کرنا وہ اللہ ہی کا مدد کرنا تو ہے، کیونکہ اللہ ہی نے مدد کرنے کی طاقت ان کو دی، اللہ ہی کا تو حکم متعلق ہے اور اللہ ہی کی مشیت ان سے متعلق ہے، اگر تمہارا مدد کرنا اللہ کا مدد کرنا ہے تو انبیاء و اولیاء کا مدد کرنا اللہ کا مدد کرنا کیوں نہیں؟۔

(کاظمی، علامہ سید احمد سعید، عبادت و استعانت: کراچی، مجلس رضا، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱)

شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ حدیث میں تو آتا ہے کہ!

''ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی اور جس چیز کی ضرورت ہوا کرتی تھی (مسواک مصلّیٰ وغیرہ) لایا کرتا تھا (ایک بار دریائے رحمت جوش میں آیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اے ربیعہ مجھ سے مانگو کیا مانگتے ہو میں تجھے عطا کروں، انہوں نے عرض کیا حضور میں آپ سے یہی مانگتا ہوں کہ بہشت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو، آپ نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتے ہو؟ حضرت ربیعہ نے عرض کی بس حضور یہی مانگتا ہوں، آپ نے فرمایا پس تم کثرتِ سجود سے میری مدد کرو''۔ (مفہوماً) (خطیب، شیخ ولی الدین، مشکوٰۃ: کراچی، س ن، ص ۴۸)

اس حدیث مبارکہ کے آخری الفاظ یہ ہیں ''فاعنی علی نفسك بکثرت السجود''، یعنی اے ربیعہ کثرت سجود سے میری مدد کرو۔

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی سے مدد مانگ رہے ہیں، لیکن آپ کہتے ہیں ''یارسول اللہ مدد'' اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ اس کے علاوہ قرآن کہہ رہا ہے اور آپ ہر نماز میں بھی پڑھتے ہیں '' ایاك نستعین''، یعنی ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، لہٰذا استعانت اللہ ہی سے کرنی چاہئیے، انبیاء و اولیاء سے استعانت کرنا قرآن حکیم کے خلاف ہے۔

اس حدیث ''فاعنی علی نفسك بکثرت السجود'' کا مفہوم یہ ہے کہ اے ربیعہ تجھے جنت میں میری رفاقت تو نصیب ہوگئی، اب اگر تو رکوع و سجود چھوڑ دے گا تو دوسرے لوگ بھی رکوع و سجود چھوڑ دیں گے، اس طرح میرے دین میں خلل آئے گا، تم رکوع و سجود نہ چھوڑو، نمازیں پڑھتے رہو۔ ''فاعنیٰ'' کا مطلب ہے ''فاعنی

دینی'' یعنی اے ربیعہ میرے دین کی مدد کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''ان تنصروا اللہ ینصرکم'' اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے (تو) وہ تمہاری مدد کرے گا، یعنی اللہ بھی دین کی مدد طلب کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا رسول بھی دین کی مدد طلب کر رہا ہے، اگر '' فاعنی علی نفسك بکثرت السجود'' سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری ثابت ہوتی ہے تو پہلے ''ان تنصروا اللہ'' سے اللہ تعالیٰ کی کمزوری ثابت کرو، لیکن یقیناً اللہ تعالیٰ بھی کمزوری سے پاک ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ (کاظمی، علامہ سید احمد سعید، تقریر ''انا اعطینا ک الکوثر کی تشریح'': مشمولہ، خطبات کاظمی: علی پور (ضلع مظفر گڑھ)، ناشر مکتبہ انوار صوفیہ ٹرسٹ، س ن، ص ۹۴)

نوٹ: یہ تقریر علامہ کاظمی کریم علیہ الرحمۃ (م ۱۹۸۶ء) نے بمقام مدینہ منورہ بر مکانِ، شیخ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی قدس سرہٗ (م ۱۹۸۱ء)، فرمائی تھی۔ (خلیل)

اب رہا ''ایاك نعبدو ایاك نستعین'' کا مطلب کیا ہے، دیکھئے عبادت اور استعانت دونوں اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں، اللہ ہی معبود ہے اور وہی مستعان ہے، بعض لوگوں نے عبادت کے معنی میں کچھ افراط و تفریط سے کام لیا، یہ صحیح ہے کہ عبادت کی روح تعظیم ہے، لیکن بعض لوگ ہر تعظیم کو عبادت سمجھنے لگے، یہ غلط ہے۔

دراصل حد درجہ تعظیم و انکسار کا نام عبادت ہے، یعنی تعظیم کا وہ مقام جس کے آگے تعظیم کا اور کوئی درجہ نہ ہو، اسے ہم بندگی سے عبارت کرتے ہیں، اور اسی کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس کے سِوا عبادت کا اور کوئی مفہوم نہیں ہے۔

اب ایک تو ہے تعظیم اور ایک ہے ''اقصیٰ غایت التعظیم'' (یعنی ایسی تعظیم کہ اس کے آگے تعظیم کا کوئی اور درجہ متصور نہ ہو)، تو اللہ تعالیٰ کے سوا اللہ کے رسول، اللہ کے نبی، اللہ کے مقرب اولیا صالحین، یہ تمام کے تمام تعظیم کے تو مستحق ہیں، مگر ''اقصیٰ غایت التعظیم'' کا مستحق فقط اللہ ہے۔ تعظیم رسولوں کے لیے بھی ہے، تعظیم نبیوں کے لیے بھی ہے، تعظیم ولیوں کے لیے بھی ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان پتھروں کی تعظیم کا بھی حکم دے دیا جن کی نسبت اللہ کے بندوں سے ہوگئی۔

دیکھئے بیت اللہ یعنی کعبہ معظم ہے یا نہیں؟ یقیناً معظم ہے۔ تو کیا کعبہ تعظیم کے بغیر ہی معظم ہو گیا؟ بھئی اس کی تعظیم ہوتی ہے تبھی تو وہ معظم ہے۔ اب اگر محض تعظیم ہی کو عبادت کہیں گے تو پھر کعبہ بھی معبود ہو گیا، حالانکہ کعبہ تو

معبود نہیں، وہ تو ہماری عبادت کی ایک جہت اللہ نے مقرر ہے۔ بعض لوگوں یہ غلط فہمی پھیلائی کہ بھئی جہاں جس کی تعظیم کرو گے بس عبادت ہو جائے گی، ادھر تم نے کسی کی تعظیم کی اُدھر مشرک ہو گئے۔ بھولے بھالے مسلمانوں کے لیے خواہ مخواہ ایک مصیبت کھڑی کی ہوئی ہے۔ جب حرمین طیبین کی حاضری ہوتی ہے تو اس کا پورا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ محض تعظیم کو عبادت کہنا بہت زیادتی ہے اور دین میں فتنہ پیدا کرنا ہے۔ صحاح ستہ میں مشہور مجموعہ احادیث ابن ماجہ شریف کی ایک حدیث میرے ذہن میں آ رہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعجب کے ساتھ کعبۃ اللہ کو فرمایا اے بیت اللہ تیری عظمتوں کا کیا کہنا تو تو بہت ہی عظمتوں والا ہے الخ۔

اب اگر محض مطلق تعظیم ہی کو شرک قرار دیتے ہو تو کعبہ کو بھی معظم مت قرار دو، اور اگر معظم سمجھتے ہو تو اپنے فتوے کے مطابق اسے بھی معبود سمجھو۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مطلق تعظیم کا نام عبادت نہیں، بلکہ ''اقصیٰ غایت التعظیم'' کا نام عبادت ہے یعنی ایسی تعظیم کہ اس کے آگے تعظیم کا کوئی درجہ متصور نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ''ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ'' (سورۃ بقرہ، آیت ۵۸)

''صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں'' یعنی جن پتھروں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے قدم لگ گئے وہ پتھر بھی معظم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا! ''ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقویٰ القلوب'' (سورۃ الحج، آیت ۴۲)

''اور جس نے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو وہ ان کے دلوں کا تقویٰ ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ سے نسبت اور تعلق رکھنے والی چیزوں کا ادب و احترام بجا لانا اور اس کی تعظیم کرنا شرک میں داخل نہیں بلکہ عین توحید کی نشانیوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے لوگ ہی ان چیزوں کی قدر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف بالواسطہ یا بلا واسطہ منسوب ہیں۔

اب یہ شعائر اللہ، جن کی تعظیم کی جاتی ہے کیا اللہ ہیں؟ اگر شعائر اللہ کو اللہ کہو گے تو پھر ہزاروں خدا ہو جائیں گے۔ بہرحال شعائر اللہ کی تعظیم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعلان فرمادیا ''ومن یعظم

شعائر الله فانها من تقوی القلوب" پتہ چلا کہ مطلقاً تعظیم شرک نہیں بلکہ اقصیٰ غایت التعظیم شرک ہے اور کوئی مسلمان ایسی تعظیم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کے لیے نہیں بجالاتا۔ اے اللہ تو ہی ہمارا معبود ہے اور ہم تیرے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ ایاك نعبد کے معنی آپ کی سمجھ میں آ گئے۔

ایاك نستعین۔ اے اللہ ہم تجھ ہی سے استعانت کرتے ہیں۔

استعانت کے معنی کیا ہیں؟ میں آپ کو بتا دوں کہ جس طرح ہر تعظیم کا نام عبادت نہیں اسی طرح ہر مدد طلب کرنے کا نام استعانت نہیں۔ ایاك نستعین میں جس استعانت کا ذکر ہے وہ ہر استعانت نہیں ہے، اگر اس سے مراد ہر استعانت ہے تو پھر یہ تو بڑی مصیبت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا! و تعاونوا علی البر و التقوی (سورۃ المائدہ، آیت ۲)

یعنی نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

(گرائمر کی رُو سے) "تعاونوا" باب تفاعل سے ہے اس کے معنی شرکت کے ہوتے ہیں۔ یعنی تم اس کی عون (مدد) کرو وہ تمہاری مدد کرے گا، نیک کام میں آپ مجھ سے مدد طلب کر سکتے ہیں، میں آپ سے مدد طلب کر سکتا ہوں۔ اب اگر ہر استعانت شرک ہو تو پھر "و تعاونوا علی البر و التقوی" کے کیا معنی ہوں گے، پھر تو نیکی کے کاموں میں کسی سے مدد طلب کرنا شرک ہو جائے گا، حالانکہ قرآن تو اس کا حکم دیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر طرح کی عون (مدد) کو ایاك نستعین کے تحت لانا غلط ہے، جیسا کہ ہر تعظیم کو ایاك نعبد کے تحت لانا غلط ہے۔ وہ تعظیم خاص ہے جو ایاك نعبد میں مراد ہے اور وہ استعانت خاص ہے جو ایاك نستعین میں مراد ہے۔ اگر ہم کسی کو مستعان حقیقی سمجھ کر مدد طلب کریں اور ہمارا اعتقاد یہ ہو کہ یہ مدد کرنے میں مستقل بالذات ہے اس کو کسی کی احتیاج نہیں، یہ خود بخود بغیر کسی کا محکوم ہوئے، بغیر کسی کی مشیت اور ارادہ کے ماتحت ہوتے ہوئے اپنی ذات سے مستقلاً ہماری مدد کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے کیونکہ کسی کو مستقل بالذات مستعان سمجھ کر مدد طلب کرنا بھی اقصیٰ غایت التعظیم ہے اور اسی کو عبادت کہتے ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ ہم جس سے بھی مدد طلب کرتے ہیں اس کے متعلق ہمارا کبھی یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ یہ اللہ کے حکم کے بغیر ہماری مدد کرے گا، یا اللہ کی مرضی یا مشیت کے بغیر ہماری مدد کرے گا یا اللہ کے ارادے کے بغیر

ہماری مدد کرے گا۔ ہمارا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مدد کرنے کی قدرت دی ہے، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے یہ ہماری مدد کرے گا، اللہ کے حکم سے یہ ہماری مدد کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے یہ ہماری مدد کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت متعلق نہ ہو تو یہ ہماری مدد نہیں کرسکتا، اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق نہ ہو تو کوئی ہماری مدد نہیں کرسکتا، اللہ نے اس کو مستقل بالذات کوئی قوت نہیں دی، کیونکہ استقلال ذاتی الوہیت کا وصف ہے اور الوہیت کا وصف غیر الٰہ میں ہو نہیں سکتا۔ اس لیے ہم کہتے ہیں " ایـــاك نستـــعيـــن "یعنی اے اللہ ہم تجھے مستعان حقیقی اعتقاد کر کے فقط تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا "واستعینوا بالصبر والصلوۃ"(سورۃ بقرہ، آیت ۴۵)

اس آیت میں "با" سببیہ ہے، سبب اور وسیلہ ایک ہی بات ہے، یعنی صبر اور صلوٰۃ یہ وسیلہ ہیں استعانت کے۔ استعانت تو اللہ ہی سے ہوگی، جس طرح صبر اور صلوٰۃ وسیلہ ہیں اسی طرح اولیاء کرام بھی وسیلہ ہیں اور جس طرح اعمال صالحہ وسیلہ ہوسکتے ہیں تو جو اعمال صالحہ سے متصف ہیں وہ بھی وسیلہ ہیں۔ اسی لیے ہم اولیا اللہ سے توسل کرتے ہیں، ہم فقط ان کی ذات کا توسل نہیں کرتے بلکہ ان کے وصفِ ولایت کی بنا پر توسل کرتے ہیں، ان کی صالحیت اور اعمال صالحہ کی بنا پر توسل کرتے ہیں۔ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں نے اعمال صالحہ سے توسل کر کے اللہ سے مدد طلب کی، اور اعمال صالحہ سے توسل کرنا یہ بناء ہے صالحین سے توسل کرنے کی۔ ہم یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کرام و صالحین ہمارے وسیلہ ہیں، ہاں مدد کرنے والا اللہ ہے، عون فرمانے والا اللہ ہے، حاجت برلانے والا اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے صالحیت کو، اعمال صالحہ کو، نیکی کو، تقویٰ کو، صبر کو، صلوٰۃ کو وسیلہ بنایا، اور جو محل ہیں صبر کے، جو متصف ہیں صلوٰۃ سے اور جو متصف ہیں اعمال صالحہ سے وہ باعتبار اعمال صالحہ کے ہمارا وسیلہ ہیں، اور ان سے قطع نظر کر کے محض ان کی ذوات کو ہم وسیلہ قرار نہیں دیتے، کیونکہ ان کے توسل کا معنی ان کا اعمال صالحہ سے متصف ہونا ہے اور اعمال صالحہ سے توسل یعنی استعانت کرنا، قرآن سے ثابت ہے، قرآن نے کہا "واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ"۔

اب اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہو گے تو قرآن کی اس آیت کو کہاں لے جاؤ گے، پھر تو صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے مدد طلب کرنا بھی شرک ہو جائے گا، کیونکہ صبر بھی خدا نہیں اور صلوٰۃ بھی خدا نہیں ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ

کی عبادتیں ہیں۔تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اے اللہ ہم تجھ ہی کو مستعانِ حقیقی مانتے ہیں اگر تو نہ چاہے تو کوئی ہماری مدد نہیں کرسکتا، اگر تیرا ارادہ اور مشیت نہ ہو تو کوئی ہماری مدد نہیں کرسکتا۔

اب یہاں ایک سوال ذہن میں آتا ہے کہ جب یہ اللہ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے تو ان کا تو کچھ مقام نہ ہوا اور ان کی کوئی فضیلت نہ ہوئی ؟۔

دیکھیے یہ اللہ کے نیک بندے اللہ کی مشیت سے ہی تو مدد کر سکتے ہیں، بغیر مشیت کے تو مدد نہیں کر سکتے۔تو پتہ چلا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ مشیتِ الٰہی متعلق ہوگئی ہے۔کیا یہ ان کی فضیلت نہیں ؟۔ان کے ساتھ مشیتِ الٰہیہ متعلق ہوتی ہے، ارادۂ الٰہیہ متعلق ہوتا ہے۔تو جو متعلق ہو مشیتِ الٰہیہ سے اور جو متعلق ہو ارادۂ الٰہیہ سے تو بتایئے کہ وہ فضیلت کا مرکز قرار پائے گا یا نہیں؟۔

یہاں ایک اور شبہ کا ازالہ بھی کردوں کہ جب ہم کہتے ہیں ''اياك نستعين'' ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تو شبہ یہ ہے کہ اس میں ''حصر'' ہے یعنی ہم فقط تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تیرے غیر سے نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہم دیکھیں کہ حصر کے معنی کیا ہیں؟ تو عرض ہے کہ حصر کے معنی ہیں ماسوا مذکور کی نفی، مثلاً کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے، اس میں مذکور کون ہے؟ اس میں مذکور اللہ ہے، کیونکہ یہاں اللہ کے سوا ہر ایک سے الوہیت کی نفی ہوگئی اور اللہ کے ماسوا سب غیر مذکور ہیں، تو ہر غیر مذکور سے الوہیت کی نفی ہوگئی۔اب ہم کہتے ہیں ''اياك نستعين'' تو ''اياك'' میں مذکور تو اللہ کی ذات ہے، کیونکہ ''اياك'' میں جو ضمیر خطاب ہے اس کا مصداق اللہ تعالیٰ ہے، تو اب مذکور تو فقط اللہ ہے اور غیر کی نفی ہوگئی، کیونکہ مذکور کے ماسوا سب کی نفی ہوتی ہے۔تو پتہ چلا کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور سے استعانت نہیں کر سکتے، کسی سے مدد نہیں مانگ سکتے، اللہ سے مدد مانگنا خاص ہے، کیونکہ مذکور وہی ہے اور حصر میں ماسوائے مذکور کی نفی ہے۔لہذا اللہ کے سوا سب ماسوا کی نفی ہوگئی، اللہ کے ماسوا جو بھی ہے اس سے استعانت نہیں ہوسکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ فقط مردے ہی اللہ کے ماسوا ہیں، کیا زندہ اللہ کے ماسوا نہیں ہیں؟ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ جناب مردوں سے مدد مانگنا شرک ہے اور زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے۔ارے خدا کے بندو! ایاک نستعین میں تو حصر ہے اور حصر میں تو ماسوائے مذکور کی نفی ہوتی ہے، تو ماسوائے مذکور فقط مردہ ہیں، کیا زندہ ماسوائے مذکور

نہیں؟ کیا صرف مُردوں کو غیر اللہ کہو گے اور زندوں کو عین اللہ کہو گے؟ خبر نہیں ان لوگوں کا دماغ کہاں چلا گیا؟ آپ آنکھ سے استعانت کرتے ہیں دیکھنے کے لیے، کان سے استعانت کرتے ہیں سننے کے لیے، زبان سے استعانت کرتے ہیں بولنے کے لیے، ہاتھ سے استعانت کرتے ہیں پکڑنے کے لیے، پاؤں سے استعانت کرتے ہیں چلنے کے لیے، دماغ سے استعانت کرتے ہیں سوچنے کے لیے، آپ اپنے دوستوں سے استعانت کرتے ہیں، مقدمات میں وکیلوں سے استعانت کرتے ہیں، جھگڑوں میں پولیس سے استعانت کرتے ہیں، کار خیر کے کاموں میں مالداروں سے استعانت کرتے ہیں، کون سی چیز ہے جس سے استعانت نہیں ہوتی؟ اب بتائیے کہ ماسوا مذکور میں تو سارے داخل ہیں، تو پھر کسی سے بھی استعانت مت کرو، اور ہر ایک کی استعانت کو شرک قرار دو۔ جواب میں کہا جاتا ہے کہ بھئی یہ تو زندہ ہیں، تو سوال ہے کہ کیا زندہ اللہ ہیں؟

الحمدللہ ہمارا عقیدہ بالکل صاف ہے، بالکل سچا ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی زندہ سے بھی مستعان حقیقی سمجھ کر مدد مانگتا ہے تو وہ مشرک ہے، کیونکہ ''ایـــــاك'' میں حصر ہے اور حصر میں ماسوائے مذکور کی نفی ہوتی ہے۔ زندہ بھی ماسوائے مذکور ہیں اور مردہ بھی ماسوائے مذکور ہیں۔ اگر کسی فوت شدہ کو مستقل بالذات مان کر مدد مانگو گے تب بھی مشرک ہو جاؤ گے اور اگر کسی زندہ کو مستقل مستعان بالذات جان کر مدد مانگو گے تب بھی مشرک ہو جاؤ گے۔ اگر استقلال ذاتی کا عقیدہ نہیں تو نہ مردہ سے مدد مانگ کر مشرک ہو گے اور نہ زندہ سے مدد مانگ کر مشرک ہو گے۔ (کاظمی، علامہ سید احمد سعید، عبادت واستعانت: کراچی، مجلس رضا، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۲۴ء) ''ایاك نستعین'' کے تحت فرماتے ہیں!

''دریں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد و او را مظہر عون الٰہی نداند حرام است و اگر التفات محض بجانب حق است و اُو را یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بکارخانۂ اسباب وحکمت او تعالیٰ دراں نمود بغیر استعانت ظاہر نماید دُور از عرفان نخواہد بود و درشرع نیز جائز وروا است وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اندو درحقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحق تعالیٰ است''۔

(دہلوی، شاہ عبدالعزیز، تفسیر عزیزی: دہلی، مجتبائی، ۸/۱)

نوٹ: یہاں چند وہابی، دیوبندی علماء کی آراء نقل کی جاتی ہیں تا کہ یہ بھی معلوم ہو کہ انکے نزدیک حضرت شاہ

عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا کیا مقام ہے۔

☆نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (پ۱۲٤۸ھ۔م ۱۳۰۷ھ) :

''شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی بن شیخ عبدالرحیم عمری رحمہم اللہ، استاذ الاساتذہ، امام نقاد، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف اور دیارِ ہند کے خاتم المفسرین ومحدثین اور............اپنے وقت میں علماء ومشائخ کے مرجع تھے، تمام علوم متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنونِ عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ان کو جو دستگاہ حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے''۔ (قنوجی، نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین: کانپور، مطبع نظامی، ۱۲۸۸ھ، ص ۲۹٦)

☆مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی (پ۱۸۷٤ء۔م ۱۹۵٦ء) :

''بڑے بڑے علماء آپ کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں اور فضلاء آپ کی تصنیف کردہ کتابوں پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں''۔ (سیالکوٹی، مولانا محمد ابراہیم، تاریخ اہل حدیث: سرگودھا، ناشر مکتبۃ الرحمان سلفیہ، س ن، ص ۲۸۸)

مولانا سر فراز خاں صفدر (پ ۱۹۱۷ء) :

''بلا شبہ مسلک دیوبند سے وابستہ جملہ حضرات شاہ عبدالعزیز صاحب کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور اس پر فخر بھی کرتے ہیں، بلا شبہ دیوبندی حضرات کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے''۔ (صفدر، مولانا سرفراز خاں، اتمام البرھان: گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۱۹۸۱ء، ۱/۱۳۸)

ترجمہ : ''اس جگہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ غیر سے اس طرح استعانت حرام ہے کہ اعتماد اس غیر پر ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے، اور اگر توجہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کارخانۂ اسباب پر نظر کرتے ہوئے اس غیر سے ظاہری استعانت کرے تو یہ راہِ معرفت سے دور نہ ہوگا اور شریعت میں جائز اور روا ہے، اس قسم کی استعانت انبیاء واولیاء نے غیر سے کی ہے، درحقیقت استعانت کی یہ قسم غیر سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی سے ہے''۔

مولوی شبیر احمد عثمانی (۱۸۸۵۔۱۹۴۹ء) کی تفسیر ملاحظہ ہو (یہ تفسیر سعودی عرب میں ہر سال حاجیوں کو مفت تقسیم ہوتی رہی ہے)

''اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اُس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی ناجائز ہے ،ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے''۔(عثمانی،مولانا شبیر احمد، تفسیر عثمانی : کراچی، دارالاشاعت،س ن،ص۲ ۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ کوئی شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطۂ رحمت الٰہی سمجھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگتا ہے تو یہ جائز ہے، کیونکہ درحقیقت یہ اللہ ہی سے مدد مانگنا ہے۔

راقم الحروف (خلیل احمد) کو اچھی طرح یاد ہے کہ مورخہ ۴/ اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز جمعتہ المبارک بعد نماز عصر،قاسم باغ قلعہ کہنہ ملتان شہر میں قائد تحریک نظام مصطفےٰ مولانا حامد علی خاں رامپوری علیہ الرحمۃ (پ ۱۹۰۶ء۔م ۱۹۸۰ء) کے مزار شریف سے ملحقہ جامع مسجد غوثیہ قادریہ میں جماعت اہل سنت کے زیر اہتمام ہفتہ وار تبلیغی اجتماع میں علامہ سیدی احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ نے دوران خطاب فرمایا تھا کہ ''بســــــــــم اللہ الرحمن الر حیم'' میں جو حرف ''ب'' ہے اس کی تین توجیہیں ہیں۔

۱۔الباء للمصاحبت۔معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

۲۔البا ء للتبرك۔اللہ کے نام کی برکت سے شروع کرتا ہوں۔

۳۔ البا ء للاستعانت۔اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔

اب دیکھئے تیسری توجیح ''البـا ء لـلاسـتـعـانـت'' کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی استعانت یا مدد سے شروع کرتا ہوں۔تو جناب اللہ تعالیٰ کا نام تو اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام کو ہی اللہ کہیں گے تو اسمائے الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے نام تو بہت سے ہیں، پھر تو بہت سے اِلٰہ ماننے پڑیں گے، مگر اِلٰہ تو صرف ایک ہے، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام تو اللہ کی ذات نہیں، تو جب اللہ تعالیٰ کے نام سے استعانت کرنی جائز ہے جو کہ اللہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ نہیں ہیں، تو ان سے استعانت کرنا یا مدد مانگنا کیونکر شرک ہوگا؟۔(رانا، خلیل احمد، یاداشتیں (قلمی) : مملوکہ،خود)

مارچ ۱۹۹۵ء کے اوائل میں راقم الحروف کسی ذاتی کام سے ملتان شریف گیا، فارغ ہو کر نئی کتابیں دیکھنے کے لیے غیر مقلدین کے کتب خانہ "مکتبہ فاروقی" نزد شاھین مارکیٹ بیرون بوہڑ دروازہ چلا گیا، وہاں کتابیں دیکھتے ہوئے مولوی رشید احمد گنگوھی (۱۸۲۹۔۱۹۰۵ء) کے شاگرد مولوی حسین علی (۷۔۱۸۶۶۔۱۹۴۳ء)، ساکن واں بھچراں، ضلع میانوالی) کی ایک کتاب "احسن التفسیر" پر نظر پڑی، کھول کر دیکھی تو "بسم اللہ" کے ترجمہ میں لکھا تھا !

"کہو مدد مانگتا ہوں ساتھ خاص نام اللہ تعالیٰ کے"

(حسین علی، مولانا، احسن التفسیر المعروف تفسیر بے نظیر: سرگودھا، مکتبۃ الحسینیہ، ۱۴۱۲ھ، اول، ص ۵)

مولوی حسین علی کے اس ترجمہ سے اُسی بات کی تصدیق ہو رہی ہے جو علامہ سیدی احمد سعید کاظمی علیہ الرحمتہ نے بیان کی، مولوی حسین علی کی تفسیر "بلغۃ الحیر ان" میں ہے!

"وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است وعین رضا است"

(یعنی کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے)

آگے لکھتے ہیں !

"اے برادر گفتن یارسول اللہ بطریق تعشق وتوسل خارج از مبحث است"

(یعنی اے بھائی تو جان لے کہ "یارسول اللہ" بطور محبت وتوسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے)

پھر آگے لکھا !

"نواب صدیق حسن خاں گفتہ۔ شیخ سنت مددے، قاضی شوکاں مددے بمعنی دعا باشد چنانچہ در ہندی گویند شالا مدد ہووے پیر جیلانی" (بلغۃ الحیر ان: لاہور، انجمن حمایت اسلام پریس، س ن، ص ۳۵۴)

ترجمہ : یعنی اسی توسل اور محبت کے طور پر ہے جو نواب صدیق حسن خاں نے کہا کہ اے سنت کے شیخ مدد کر اور اے قاضی شوکاں مدد کر جو محض (بطور توسل) دعا ہے،

چنانچہ لوگ کہتے ہیں "شالا مدد ہووے پیر جیلانی"۔

مولوی حسین علی کی ان عبارات سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ بطور توسل "یا رسول اللہ" کہنا درست ہے، اللہ تعالیٰ کے محبوبوں سے بطور توسل مدد مانگنا بھی جائز ہے، کیونکہ "شالا مدد ہووے پیر جیلانی" (یہ سرائیکی

زبان کا فقرہ ہے) کا مطلب ہے "یا غوث اعظم المدد"۔

پاکستان میں دیوبندیوں کے بڑے بڑے مولوی مثلاً مولوی سرفراز خاں صفدر، گوجرانوالہ (پ ۱۹۱۷ء) اور حیات النبی کے منکر "مماتی پارٹی" کے مولوی غلام خاں، راولپنڈی (۱۹۰۹۔۱۹۸۰ء) مولوی طاہر پنج پیری ،صوابی ضلع مردان صوبہ سرحد (۱۹۱۷۔۱۹۸۷ء)، مولوی محمد حسین نیلوی سرگودھا (پنجاب)، اور مولوی عنایت اللہ شاہ گجراتی (گجرات پنجاب) یہ سب مولوی حسین علی کے شاگرد ہیں۔

استعانت اور توسل الگ الگ نہیں بلکہ ایک ہی ہیں، امام تقی الدین سبکی شافعی علیہ الرحمۃ (م ۷۵۶ھ) فرماتے ہیں۔

"واذ قد تحررت هذه الانواع والاحوال فی الطلب من النبی صلی الله علیه وسلم و ظهر المعنی فلا علیك فی تسمیته توسلا او تشفعاو استغاثته او تجوهاو توجها لان المعنی فی جمیع ذلك سواء"۔ (السبکی، امام تقی الدین، شفاء السقام: فیصل آباد، مکتبہ نوریہ رضویہ، س ن، ص ۱۷۵)

ترجمہ: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شے کے طلب کرنے میں احوال اور اقسام کا بیان ہو گیا اور مطلب ظاہر ہو گیا تو اب تم اس طلب کو توسل کہو یا تشفع، استغاثہ کہو یا تجوّہ یا توجہ، کوئی حرج نہیں کیونکہ ان سب کا مطلب ایک ہی ہے۔

مولوی حسین علی اپنی ایک اور تصنیف "تحفہ ابراہیمیہ" میں لکھتے ہیں!

"اما استمداد از دوستان خدا روا است" (حسین علی، مولانا، فیوضات حسینی۔۔اردو ترجمہ مع متن۔۔تحفہ ابراہیمیہ: مترجم، مولانا عبدالحمید سواتی، گوجرانوالہ، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرت العلوم، ۱۳۸۷ھ، ص ۱۲۲)

ترجمہ۔دوستانِ خدا سے مدد مانگنا جائز ہے"

یہ عبارت چونکہ بعض لوگوں کے غلط عقیدہ پر کاری ضرب ہے، اس لیے اس کے مترجم اور ناشر مولوی عبدالحمید سواتی دیوبندی، گوجرانوالہ (پ ۱۹۱۷ء) نے "تحفہ ابراہیمیہ" کے اُردو ترجمہ بنام "فیوضات حسینی" کے حاشیہ میں اس فارسی عبارت کا ترجمہ ہاتھ کی صفائی سے غائب کر دیا، لیکن خیانت کرتے ہوئے بدحواسی کے عالم میں اصل فارسی عبارت کو متن سے غائب کرنا بھول گئے، جو کہ اُسی صفحہ کی پہلی سطر میں ان کی خیانت کا منہ چڑا رہی ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء سے سوال ہے کہ مولوی حسین علی کی اس عبارت سے ثابت ہورہا ہے کہ محبوبانِ خدا سے مدد مانگنا جائز ہے، تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور حبیب ہیں، آپ سے مدد مانگنا اور ''یارسول اللہ مدد'' کہنا کیوں ناجائز اور شرک ہے؟۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۲ـ۱۸۷۹ء) اپنے قصیدہ میں لکھتے ہیں !

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

(نانوتوی، مولانا محمد قاسم، قصائد قاسمی: ملتان، مکتبہ قاسمیہ، چوک فوارہ، ص ۸)

اس شعر کا مطلب ''یارسول اللہ مدد'' نہیں تو اور کیا ہے؟

مولوی اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ـ۱۹۴۳ء) اپنی کتاب ''حیٰوۃ المسلمین'' میں درج ذیل اشعار لکھتے ہیں!

ترجمان ہر چہ مارا در دل است
دستگیر ہر کہ پائیش در گل است

مرحبا یا مجتبےٰ یا مرتضےٰ
ان تغب جاء القضاء ضاق القضاء

انت مولی القوم من لا یشتھی
قد روی کلا لئن لم ینتھی

ترجمہ: (۱) (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جو بات ہمارے دل میں ہے آپ اس کو بیان کرنے والے ہیں اور مصیبت زدہ کے آپ دستگیر ہیں۔

(۲) آپ کو مرحبا اے برگزیدہ وپسندیدہ، اگر آپ غائب ہوں تو موت آجائے اور دنیا تنگ وتاریک ہوجائے۔

(۳) آپ لوگوں کے مددگار وخیر خواہ ہیں، جو آپ کی طرف رغبت نہیں کرتا وہ ہلاک ہوجائے گا۔ (تھانوی، مولوی اشرف علی، حیٰوۃ المسلمین: کراچی، مکتبہ تحفظ ختم نبوت، س ن، ص ۹)

اگر ''یارسول اللہ مدد'' کہنا شرک ہے تو علمائے دیوبند کا تھانوی صاحب کے ان مذکورہ بالا اشعار کے متعلق

شرک کا فتویٰ کہیں شائع ہوا ہے؟ اگر نہیں شائع ہوا تو کیا شرک کا فتویٰ صرف مظلوم اہل سنت کے لیے ہے؟۔

یہی مولوی اشرف علی تھانوی صاحب اپنی کتاب ''نشر الطیب'' میں لکھتے ہیں ! (نشر الطیب: لاہور، تاج کمپنی، س ن، ص ۱۹۴)

یا شفیع العباد خذ بیدی — انت فی الاضطرار معتمدی
لیس لی ملجاءٌ سواك اغث — مسنی الضر سیدی سندی
غشنی الدھر یا ابن عبداللّٰہ — کن مغیثاً فانت لی مددی

دستگیری کیجیے میرے نبی — کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ — فوجِ کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف — اے میرے مولا خبر لیجیے میری

قارئین انصاف فرمائیں کہ ان اشعار میں اور ''یا رسول اللہ المدد'' کہنے میں کیا فرق ہے؟ اگر یہ اشعار شرکیہ نہیں تو ''یارسول اللہ مدد'' کہنا بھی شرک نہیں۔

بانی تبلیغی جماعت مولوی محمد الیاس کاندھلوی (۱۸۸۵ـ۱۹۴۴ء) کے قریبی عزیز اور بااعتماد ساتھی مولوی احتشام الحسن کاندھلوی، جن کا ایک رسالہ

''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' تبلیغی نصاب (موجودہ نام فضائل اعمال) کے آخر میں شامل ہے۔ اپنی کتاب ''غوث اعظم'' میں لکھتے ہیں !

"جب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر کوئی صدمہ یا حادثہ پیش آتا تو آپ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوتے اور اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھتے، نماز کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھتے اور کہتے تھے!

اغثنی یا رسول اللّٰہ علیك الصلوٰة و السلام

پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر دل ہی دل میں آہستہ سے یہ دو شعر پڑھتے تھے۔

ایدرکنی ضیم و انت ذخیرتی
و الظلم فی الدنیا و انت نصیرتی

و عار علی راعی العمیٰ و هو فی الحمی

ذا ضـــاع فـــی البیـــداء بـعـیـیــری

ترجمہ ۔یعنی کیا مجھے بھی کوئی آفت پہنچ سکتی ہے جب کہ آپ کا تعلق میرے لیے ذخیرہ آخرت ہے اور کیا میں بھی دنیا میں ظلم وستم کیا جاؤں گا جب کہ آپ میرے معین و مددگار ہیں، یہ امر تو گلہ بان کے لیے باعث عار ہے کہ اس کے گلہ میں ہوتے ہوئے اس جنگل میں میرے اونٹ کی رسی گُم ہو جائے۔'' (کاندھلوی، مولانا احتشام الحسن، غوث اعظم :لاہور، تبلیغی ادارۂ اسلامیات، ۱۹۷۸ء، اوّل، صفحہ ۳۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد از وصال دور سے مدد کے لیے نداء کرنا جائز ہے، کیونکہ حضور غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بغداد میں یہ اشعار پڑھتے تھے، یہ سب کو معلوم ہے کہ آپ کا زمانہ بھی بعد کا ہے اور بغداد (عراق) مدینہ منورہ سے دور ہے۔

اہل سنت کا عقیدہ استمداد

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ استمداد یہ ہے کہ کارسازِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، مخلوق میں سے جو بھی کسی کی امداد کرتا ہے وہ بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی امداد ہے، بندہ تو اس کی امداد کا مظہر ہے، ورنہ اگر کوئی چاہے کہ میں از خود عطائے الٰہی کے بغیر کسی کی امداد کروں تو یہ ممکن نہیں ہے اور کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے کہ وہ از خود امداد کر سکتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد و عطا کی ضرورت نہیں ہے۔

علامہ سیدی احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ استمداد کی شرعی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں !

''بے شک اللہ کے سوا کسی کو معین اور مددگارِ حقیقی سمجھنا شرک خالص ہے، مگر کمال قرب الٰہی کے باعث اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو مظاہر عون الٰہی سمجھنا یقیناً حق ہے، بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کر رہا ہوں، بصیرت و انصاف کی نظر سے غور کیا جائے تو آسانی سے بات سمجھ آ سکتی ہے۔

دیکھئے حدیث قدسی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جس نے میرے ولی سے عداوت کی میری طرف سے اسے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا وہ قرب حاصل نہیں کرتا، جو میرے فرائض کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب

حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سمع ہوجاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی بصر ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا، اور اگر وہ مجھ سے میری پناہ طلب کرے تو اسے میں ضرور اپنی پناہ دوں گا۔ (بخاری، امام محمد بن اسمٰعیل، بخاری: لاہور، س ن، ۹۶۳/۲، خطیب، ولی الدین، مشکوٰۃ: لاہور، س ن، ص ۹۷)

بخاری شریف کی اس حدیث قدسی کے بعض دیگر طرق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں ''وفواده الذی یعقل به و لسانه الذی یتکلم به''یعنی میں اس کا دل ہوجاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ (دہلوی، شاہ عبدالحق محدث، اشعۃ اللمعات: دہلی، مطبع مجتبائی س ن، ۱۹۴/۲)

امام رازی علیہ الرحمۃ (م ۶۰۶ ھ) نے بھی اس حدیث کے ایک طرق روایت میں لساناً اور قلباً کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ (رازی، امام فخر الدین، تفسیر کبیر: قاہرہ، س ن، ۶۸۷/۵)

اس حدیث سے واضح ہوگیا کہ مقربان بارگاہِ الوہیت کا مظاہرِ عونِ الٰہی ہونا حقیقتِ ثابتہ ہے۔ اس حدیث کو صرف اس بات پر محمول کردینا کہ قربِ نوافل حاصل کرنے والے بندے کو جب اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیتا ہے تو اس کا سننا، دیکھنا، کام کرنا، چلنا پھرنا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکامِ شریعت کے مطابق ہوجاتا ہے، یعنی مقرب بندہ اپنی آنکھ کان وغیرہ کسی عضو سے معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا، ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ ''کنت له سمعاً'' کا مقام اس بندے کو اللہ کا محبوب ہونے کے بعد ملا ہے، اور وہ محبوب اسی وقت ہوگا جب وہ گناہ چھوڑ دے گا اور اپنی آنکھ کان ہاتھ وغیرہ کو احکامِ شریعت کے تابع بنادے گا۔ اگر اس کے بغیر ہی وہ محبوب ہوجائے تو سب عاصی اور گنہگار اللہ کے محبوب ہونگے، پھر سوچئے کہ محبوبیت الٰہیہ کی کیا وقعت رہی؟۔

معلوم ہوا کہ اپنی سمع بصر وغیرہ کو احکام شریعہ کے تابع کرنے کے بعد کنت له سمعاً کا مقام اسے حاصل ہوا۔ اب اگر اسے بھی ہم گناہوں سے بچنے کے معنی پر محمول کردیں تو اس کی حیثیت رجعتِ قہقری سے زائد کیا ہو گی؟ بلکہ اسے تحصیل حاصل کہنا پڑے گا، جو صراحتاً باطل ہے، اس لیے حدیث کو معنی سابق پر محمول کرنا صحیح نہیں، بلکہ حدیث کے صحیح معنی یہی ہیں کہ بندۂ مقرب اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر و دیگر صفات کا مظہر ہوجاتا ہے، جیسا

کہ اسی حدیث کے پیشِ نظر امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا!

"وکذلک العبد اذا و اظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللہ کنت لہ سمعاً و بصراً فاذا صار نور جلال اللہ سمعاً لہ سمع القریب و البعید و اذا صار ذلک النور بصرًا لہ راء ی القریب و البعید و اذا صار ذلک النور یدًا لہ قدر علی التصرف فی الصعب والسہل والبعید والقریب"۔ (رازی، امام فخر الدین، تفسیر کبیر: قاہرہ، س ن، ۵/۶۸۸، ۶۸۹)

"یعنی بندہ جب گناہوں سے بچ کر نیکی کے کاموں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی سمع اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں، تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی بات سن لیتا ہے اور جب یہ نور اس کی بصر ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی چیز کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہ نور اس کا ہاتھ ہو جائے تو وہ مشکل اور آسان اور دور اور قریب پر قادر ہو جاتا ہے"۔

جن لوگوں نے اس حدیث کو عقیدہ توحید کے خلاف سمجھا، وہ غلطی پر ہیں، کیونکہ حدیث میں یہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ "بندہ مقرب" اللہ ہو جاتا ہے، یا اللہ بندے میں حلول کر لیتا ہے۔ بلکہ حدیث کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ کا بندہ کمالِ قرب کے باعث اللہ کے نورِ سمع، نور بصر، نورِ قدرت، نور کلام اور نور علم و ادراک کا مظہر ہو جاتا ہے۔ انسانیت کا کمال قرب الٰہی ہے۔ قرآن و حدیث اور شریعت اسلامیہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا مقرب ہو جائے، اگر یہ کفر و شرک ہے تو اسلام اور توحید کا کیا مفہوم ہوگا؟ کمالِ انسانیت کے معیار کو کفر و شرک کہنا کتاب و سنت سے ناواقفیت اور روح اسلام سے بے گانگی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے جو مقرب بندے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں اس کی دی ہوئی قدرت کے باوجود اذنِ الٰہی کے بغیر کوئی کام ان سے سرزد نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے ارادے اور مشیت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع کر دیتے ہیں۔ بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں، مگر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اختیار کے باوجود اس کی حکمت اور مشیت کے تابع رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو سونے کے پہاڑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "یا عائشة لو شئت لسارت معی جبال الذهب" اے عائشہ اگر میں

چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے (مشکوٰۃ، خطیب، ولی الدین، ۵۲۱) اور فقر و فاقہ کی کبھی نوبت نہ آتی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود فقر کو اختیار فرمایا۔

بے شک تمام انبیا و اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کل مخلوقات اللہ تعالیٰ کے محکوم اور مقدور ہیں، اس کے حکم اور قدرت سے کوئی باہر نہیں، لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ بہ نسبتِ خلائق مجبور محض ہوں، بلکہ مظاہر عون الٰہی ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ اپنی اور ہماری سب کی مدد کرتے اور کر سکتے ہیں، ان کا بعض اوقات ہماری مدد نہ کرنا اس لیے نہیں کہ وہ ہماری مدد نہیں کر سکتے، بلکہ وہ بتقاضائے کمال عبدیت اللہ کی حکمت کے خلاف کچھ نہیں کرتے، سمجھنے کے لیے اتنی بات پیش نظر رکھ لیں کہ بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے والا روزے دار جسے اللہ تعالیٰ نے سب نعمتیں عطا فرمائی ہیں، روزے کی حالت میں کھانے پینے کی طاقت رکھتا ہے، مگر رضائے الٰہی کے پیش نظر وہ ایسا نہیں کرتا، نمازی نماز کی حالت میں لوگوں سے کلام کر سکتا ہے مگر بندگی کا تقاضا اسے روکتا ہے، ایک طاقت ور مظلوم ظالم سے انتقام لے سکتا ہے، مگر کمال حلم اس کے لیے مانع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت و رضا کے تحت صبر و تحمل سے کام لینا اور حکمت الٰہیہ کے مطابق عمل کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ غور فرمایئے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لوگ بہت سے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں روک سکتا ہے مگر نہیں روکتا، شیطان کی سرکشی دور کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے، مگر اپنی حکمتوں کی بناء پر ایسا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سنت الٰہیہ کا مظہر ہوتے ہیں، اپنے اوپر ان کا قیاس کر کے انہیں اپنے جیسا سمجھنا نادانی اور ناانصافی ہے۔ (ملخصاً)

(کاظمی، علامہ سید احمد سعید، درود تاج پر اعتراضات کے جوابات: ملتان، ناشر؟، ۱۹۸۶ء، ۸۱۔۸۵)